(کورس: اسلامیات لازمی (5436
سمسٹر: بہار: 2021ء

امتحانی مشق 1

سوال نمبر 1. سورۃ الفرقان اور سورۃ الحجرات کا تعارف جامع انداز میں تحریر کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بیان فرماتا ہے تاکہ لوگوں پر اس کی بزرگی عیاں ہو جائے کہ اس نے اس پاک کلام کو اپنے بندے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ سورۃ الکہف کے شروع میں بھی اپنی حمد اسی اندازے سے بیان کی ہے، یہاں اپنی ذات کا بابرکت ہونا بیان فرمایا اور یہی وصف بیان کیا۔ یہاں لفظ «نَزَّلَ» فرمایا جس سے بار بار بکثرت اترنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے فرمان ہے «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّـهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ» [4-النساء:136] پس پہلی کتابوں کو لفظ «أَنزَلَ» سے اور اس آخر کتاب کو لفظ «نَزَّلَ» سے تعبیر فرمانا۔ اسی لیے ہے کہ پہلی کتابیں ایک ساتھ اترتی رہیں اور قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت اترتا رہا۔ کبھی کچھ آیتیں، کبھی کچھ سورتیں، کبھی کچھ احکام۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ لوگوں کو اس پر عمل مشکل نہ ہو اور خوب یاد ہو جائے اور مان لینے کے لیے دل کھل جائے۔ جیسے کہ اسی سورت میں فرمایا ہے کہ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ساتھ کیوں نہ اترا؟ جواب دیا گیا ہے کہ اس طرح اس لیے اترا کہ اس کے ساتھ تیری دل جمعی رہے اور ہم نے ٹھہرا ٹھہرا کر نازل فرمایا۔ یہ جو بھی بات بنائیں گے ہم اس کا صحیح اور جچاتلا جواب دیں جو خوب تفصیل والا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس آیت میں اس کا نام فرقان رکھا۔ اس لیے کہ یہ حق و باطل میں، ہدایت و گمراہی میں فرق کرنے والا ہے۔ اس سے بھلائی برائی میں، حلال حرام میں تمیز ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ پاک صفت بیان فرما کر، جس پر قرآن اترا ان کی ایک پاک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ خاص اس کی عبادت میں لگے رہنے والے ہیں، اس کے مخلص بندے ہیں۔ یہ وصف سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ اسی لیے بڑی بڑی نعمتوں کے بیان کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وصف بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسے معراج کے موقعہ پر فرمایا «سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ» [17-الإسراء:1]

اور جیسے اپنی خاص عبادت نماز کے موقعہ پر فرمایا «وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا» [72-الجن:19] ” اور جب بندہ اللہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عبادت کرنے

کھڑے ہوتے ہیں " یہی وصف قرآن کریم کے اترنے اور آپ کے پاس بزرگ فرشتے کے آنے کے اکرام کے بیان کرنے کے موقعہ پر بیان فرمایا۔

پھر ارشاد ہوا کہ اس پاک کتاب کا آپ کی طرف اترنا اس لیے ہے کہ آپ تمام جہان کے لیے آگاہ کرنے والے بن جائیں، ایسی کتاب جو سراسر حکمت و ہدایت والی ہے۔ جو مفصل، مبین اور محکم ہے۔ جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا۔ جو حکیم و حمید اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔

آپ اس کی تبلیغ دنیا بھر میں کر دیں، ہر سرخ و سفید کو، ہر دور و نزدیک والے کو اللہ کے عذابوں سے ڈرا دیں، جو بھی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے اس کی طرف آپ کی رسالت ہےپہلی ہی آیت تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّ لَ الْفُرْقَانَ سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی قرآن کی اکثر سورتوں کے ناموں کی طرح علامت کے طور پر ہے نہ کہ عنوان مضمون کے طور پر۔ تاہم مضمون سورہ کے ساتھ یہ نام ایک قریبی مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔ انداز بیان اور مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ نزول بھی وہی ہے جو سورہ مومنون وغیرہ کاہے ، یعنی زمانہ قیام مکہ کا دور متوسط۔ ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن مزاحِ اور مقاتل بن سلیمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت سورہ نساء سے ۸سال پہلے اتری تھی۔ اس حساب سے بھی اس کا زمانہ نزول وہی دور متوسط قرار پاتا ہے۔

اس میں ان شبہات و اعتراضات پر کلام کیا گیا ہے جو قرآن ، اور محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت ، اور آپ کی پیش کردہ تعلیم پر کفار مکہ کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک ایک کا جچا تلا جواب دیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ دعوت حق سے منہ موڑنے کے برے نتائج بھی صاف صاف بتائے گئے ہیں۔ آخر میں سورہ مومنون کی طرح اہل ایمان کی اخلاقی خوبیوں کا ایک نقشہ کھینچ کر عوام الناس کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ اس کسوٹی پر کس کر دیکھ لو ، کون کھوٹا ہے اور کون کھرا۔ ایک طرف اس سیرت و کر دار کے لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیم سے اب تک تیار ہوئے ہیں اور آئندہ تیار کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ دوسری طرف وہ نمونہ اخلاق ہے جو عم اہل عرب میں پایا جاتا ہے اور جسے بر قرار رکھنے کے لیے جاہلیت کے علمبردار ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اب خود فیصلہ کرو کہ ان دونوں نمونوں میں سے کے پسند کرتے ہو؟ یہ ایک غیر ملفوظ سوال تھا جو عرب کے ہر باشندے کے سامنے رکھ دیا گیا، اور چند سال کے اندر ایک چھوٹی سی اقلیت کو چھوڑ کر ساری قوم نے اس کا جو جواب دیا وہ جریدہ روز گار پر ثبت ہو چکا ہے۔

نہایت متبرک ہے ۱وہ جس نے یہ فرقان ۲اپنے بندے پر نازل کیا ۳تاکہ سارے جہان والوں کے لیے نذیر ہو ۴--- وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے ۵جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے ۶، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے ۷، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔ ۸لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے معبُود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں ، جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں نہ جِلا سکتے ہیں، نہ مَرے ہوئے کو پھر اُٹھا سکتے ہیں۔ ۱۰جِن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اِس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دُوسرے لوگوں نے اِس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم ۱۱اور سخت جھُوٹ ہے جس پر یہ لوگ اُتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پُرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اِسے صبح و شام سُنائی جاتی ہیں۔ اے محمدؐ، ان سے کہو کہ ” اِسے نازل کیا ہے اُس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ ۱۲ “ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

کہتے ہیں ” یہ کیسا رسُول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ ۱۴کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو)دھمکاتا؟ ۱۵یا اور کچھ نہیں تو اِس کے لیے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ (اطمینان کی)روزی حاصل کرتا۔ ۱۶ “ اور ظالم کہتے ہیں ” تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی ۱۷کے پیچھے لگ گئے ہو۔“ دیکھو، کیسی کیسی عجیب حجتیں یہ لوگ تمہارے آگے پیش کر رہے ہیں، ایسے بہکے ہیں کہ کوئی ٹھکانے کی بات اِن کو نہیں سُوجھتی۔

اصل میں لفظ تَبَارَکَ استعمال ہوا ہے جس کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ تو در کنار ایک فقرے میں بھی ادا ہونا مشکل ہے۔ اس کا مادہ بر ک ہے جس سے دو مصدر بَرَکَۃ اور بُرُ و ک نکلے ہیں۔ بَرَکۃ میں افزونی، فراوانی، کثرت اور زیادتی کا تصور ہے اور بُرُوک میں ثبات، بقاء اور لزوم کا تصور۔ پھر جب اس مصدر سے تَبَارَکَ کا صیغہ بنایا جاتا ہے تو باب تفاعُل کی خصوصیت، مبالغہ اور اظہار کمال، اس میں اور شامل ہو جاتی ہے اور اس کا مفہوم انتہائی فراوانی، بڑھتی اور چڑھتی افزونی، اور کمال درجے کی پائیداری ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ مختلف مواقع پر مختلف حیثیتوں سے کسی چیز کی فراوانی کے لیے، یا اس کے ثبات و دوام کی کیفیت بیان کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً کبھی اس سے مراد بلندی میں بہت بڑھ جانا ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں تبارکت النخلۃ یعنی فلاں کھجور کا درخت بہت اونچا ہو گیا۔ اِصْمَعِی کہتا ہے کہ ایک بدو ایک

اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا تَبَارَکْتُ عَلَیْکُمْ۔ ’’ میاں تم سے اونچا ہو گیا ہوں ‘‘۔ کبھی اسے عظمت اور بزرگی میں بڑھ جانے کے لیے بولتے ہیں۔ کبھی اس کو فیض رسانی اور خیر اور بھلائی میں بڑھے ہوئے ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی اس سے پاکیزگی و تقدس کا کمال مراد ہوتا ہے۔ اور یہی کیفیت اس کے معنی ثبوت و لزوم کی بھی ہے۔ موقع و محل اور سیاق و سباق بتا دیتا ہے کہ کس جگہ اس لفظ کا استعمال کس غرض کے لیے کیا گیا ہے۔ یہاں جو مضمون آگے چل کر بیان ہو رہا ہے اس کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کے لیے تَبَارَکَ ایک معنی میں نہیں، بہت سے معنوں میں استعمال ہوا ہے : ۱: بڑا محسن اور نہایت با خیر، اس لیے کہ اس نے اپنے بندے کو فرقان کی عظیم الشان نعمت سے نواز کر دنیا بھر کو خبردار کرنے کا انتظام فرمایا۔ ۲ : نہایت بزرگ و با عظمت، اس لیے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کی ہے۔ ۳ : نہایت مقدس و منزّہ، اس لیے کہ اس کی ذات ہر شائبۂ شرک سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی ہم نجس کہ ذات خداوندی میں اس کا نظیر و مثیل ہو، اور نہ اس کے لیے فنا و تغیر کہ اسے جا نشینی کے لیے بیٹے کی حاجت ہو۔ ۴ : نہایت بلند و برتر، اس لیے کہ بادشاہی ساری کی ساری اسی کی ہے اور کسی دوسرے کا یہ مرتبہ نہیں کہ اس کے اختیارات میں اس کا شریک ہو سکے۔ ۵ : کمال قدرت کے اعتبار سے برتر، اس لیے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور ہر شے کی تقدیر مقرر کرنے والا ہے۔ اصل میں لفظ تَبَارَکَ استعمال ہوا ہے جس کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ تو در کنار ایک فقرے میں بھی ادا ہونا مشکل ہے۔ اس کا مادہ بر ک ہے جس سے دو مصدر بَرَکَۃ اور بُرُ و ک نکلے ہیں۔ بَرَکۃ میں افزونی، فراوانی، کثرت اور زیادتی کا تصور ہے اور بُرُوک میں ثبات، بقاء اور لزوم کا تصور۔ پھر جب اس مصدر سے تَبَارَکَ کا صیغہ بنایا جاتا ہے تو باب تفاعُل کی خصوصیت، مبالغہ اور اظہار کمال، اس میں اور شامل ہو جاتی ہے اور اس کا مفہوم انتہائی فراوانی، بڑھتی اور چڑھتی افزونی، اور کمال درجے کی پائیداری ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ مختلف مواقع پر مختلف حیثیتوں سے کسی چیز کی فراوانی کے لیے، یا اس کے ثبات و دوام کی کیفیت بیان کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً کبھی اس سے مراد بلندی میں بہت بڑھ جانا ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں تبارکت النخلۃ یعنی فلاں کھجور کا درخت بہت اونچا ہو گیا۔ اِصْمَعِی کہتا ہے کہ ایک بدو ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا تَبَارَکْتُ عَلَیْکُمْ۔ ’’ میاں تم سے اونچا ہو گیا ہوں ‘‘۔ کبھی اسے عظمت اور بزرگی میں بڑھ جانے کے لیے بولتے ہیں۔ کبھی اس کو فیض رسانی اور خیر اور بھلائی میں بڑھے ہوئے ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی اس سے پاکیزگی و تقدس کا

کمال مراد ہوتا ہے۔ اور یہی کیفیت اس کے معنی ثبوت و لزوم کی بھی ہے۔ موقع و محل اور سیاق و سباق بتا دیتا ہے کہ کس جگہ اس لفظ کا استعمال کس غرض کے لیے کیا گیا ہے۔ یہاں جو مضمون آگے چل کر بیان ہو رہا ہے اس کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کے لیے تَبَارَکَ ایک معنی میں نہیں، بہت سے معنوں میں استعمال ہوا ہے : ۱: بڑا محسن اور نہایت با خیر، اس لیے کہ اس نے اپنے بندے کو فرقان کی عظیم الشان نعمت سے نواز کر دنیا بھر کو خبردار کرنے کا انتظام فرمایا۔ ۲ : نہایت بزرگ و با عظمت، اس لیے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کی ہے۔ ۳ : نہایت مقدس و منزَّہ، اس لیے کہ اس کی ذات ہر شائبۂ شرک سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی ہم نجس کہ ذات خداوندی میں اس کا نظیر و مثیل ہو، اور نہ اس کے لیے فنا و تغیر کہ اسے جا نشینی کے لیے بیٹے کی حاجت ہو۔ ۴ : نہایت بلند و برتر، اس لیے کہ بادشاہی ساری کی ساری اسی کی ہے اور کسی دوسرے کا یہ مرتبہ نہیں کہ اس کے اختیارات میں اس کا شریک ہو سکے۔ ۵ : کمال قدرت کے اعتبار سے برتر، اس لیے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور ہر شے کی تقدیر مقرر کرنے والا ہے۔

اس سُورہ میں ، جس میناٹھارہ سے زیادہ آیات نہیں ہیں ،پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مربوط اوراسلامی معاشرے میں ایک دوسرے سے تعلق کے بارے میں بہت اہم مسائل دبیان ہُو ئے ہیں ، اور چونکہ اس میں بہت سے اہم اخلاق مسائل کوعنوان بنایا گیاہے لہذا اس سُورہ کو سُورہ ٔ اخلاق و آداب بھی کہاجاسکتاہے ۔

اس سُورہ کے مختلف حصّوں میں کامجموعی طورسے کچھ اس طرح خلاصہ کیاجاسکتاہے ۔

پہلا حصّہ

آغاز سُورہ کی آ یات ہیں، جو اسلام کے عظیم ترین پیشوا ، پیغمبر اکر م(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب اوران اصولوں کوبیان کرتی ہیں ، جن کا مسلمانوں کو آپ کے حضور میں کاربند ہوناچاہیئے :

دوسرا حصّہ

اس سُورہ کا اجتماعی اورمعاشرتی اخلاقی کے اہم اصول کے ایک سلسلہ پر مشتمل ہے ،جن کی پابندی سے اسلامی معاشرہ میں محبت دوصفاوامنیّت واتحاد کی حفاظت ہوتی ہے اوران کے برخلاف ان کو فراموش دکردینا بدینی ،نفاق پر اگند گی اور بدامنی کاسبب بنتا ہے ۔

تیسرا حِصّہ

ایسے احکا م ددہیں، جواختلا فات اورآپس مینلڑ پڑنے کے خلاف مبارزہ کرنے کی کیفیت سے

مربوط ہیں، جوبعض اوقات مسلمانوں مینپیدا ہوجاتے ہیں ۔

چوتھا حصّہ

انسان کی بارگاہِ خدا میں قدروقیمت اور مسئلہ تقویٰ کے بارے میں گفتگو کرتاہے ۔

پانچو اں حِصّہ

اس مسئلہ دکی تاکید کرتاہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کانام نہیں ہے ،بلکہ اعتقاد قلبی کے عِلاوہ اس کے آثار انسانی اعمال اوراموال اورنفسوس کے ساتھ جہاد کرنے میں بھی آشکار ہونے چاہیئں ۔

چھٹا حصّہ

اس چیزسے بحث کرتاہے کہ اسلام وایمان ، خدا کا، مو منین کے لیے ایک عظیم ہدیہ ہے ،لہٰذا بجائے اس کے کہ اس کوقبول کرکے احسان جتلائیں ،انہیں توحدسے زیادہ ممنون و مشکور ہونا چاہیئے کہ وہ اس ہدیہ کے مشمول ہُوئے ۔

ساتواں حصّہ

جو اس سُورہ کاآخری حصّہ ہے ،تمام دعالم ہستی کے پوشیدہ اسرار ،اورانسانوں کے اعمال سے خداکے علم و آگاہی کے بارے میں گفتگو کرتاہے ، جوحقیقت میں ان تمام حِصّوں کے اجراء کے ضامن کے طورپر آیاہے ،جو اس سورہ میں بیان ہُو ئے ہیں ۔

اس سُورہ کانام سورہ حجرات اس سُورہ کی چوتھی آ یت کی مناسبت سے ہے ،جس میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اوراس کی تفسیر عنقریب بیان ہوگی ۔

سوال نمبر 2۔ سنت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کریں نیز اطاعتِ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم پر جامع نوٹ لکھیں۔

قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اسلامی احکام اور تعلیمات کا دوسرا بڑا مآخذ ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا ، اس سے احکام نافذ کرنا اور اس پر اللہ تعالی کی رضا کے مطابق عمل کرنا بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور رہنمائی کےبغیر ممکن نہیں۔ سنت کا یہ مقام صدیوں سے مسلم اور غیر متنازعہ رہا ہے اور اگرچہ فقہی آراء کے بارے میں مسلمانوں میں مختلف نقطہ نظر رہے ہیں لیکن قرآن حکیم اور سنت نبوی کی حجیت کا کسی ماہر قانون نے کبھی انکار نہیں کیا۔ چند ایسے متفرق افراد کی انفرادی آراء سے قطع نظرجنہوں نے اپنے آپ کو مسلم امت کے اجتماعی دھارے سے خود الگ کر لیا تھا۔ کسی فرد نے کبھی اسلامی قانون کے بنیادی اور اہم ماخذ کی حیثیت سے

سنت کا درجہ چیلنج نہیں کیا۔

یہ صورتحال اب تک برقرار ہے لیکن پچھلی صدی کے دوران چند غیر مسلم مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے کوشش کی ہے کہ حدیث کی حجیت یا اس کی استنادی حیثیت کے بارے میں ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں اور سنت کے خلاف شکوک و شبہات رکھنے والے طرز فکر کو فروغ دیا جائے۔ بعض حضرات نے احادیث نبویؐ کی حجیت اور اہمیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہےاور اس سلسلے میں طرح طرح کے شبہات پیدا کئے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ کئی مسلمان جو اسلام کا اس کے اصل ماخذ کے ذریعہ مطالعہ نہیں کر سکتے، ان کتابوں کو پڑھ کر اس موضوع پر شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔

اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ کی روشنی میں سنت کا ایک سادہ اور معروضی خاکہ پیش کر دیا جائے۔ اس تحریر کا منشاء اس مناظرانہ فضا میں ملوث ہونا نہیں ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی بلکہ منشاء یہ ہے کہ حقیقت کو اس کی صحیح اور اصل صورت میں بیان کر دیا جائے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آل عمران:۳۲)

"آپ فرما دیجیے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھر اگر وہ لوگ اعتراض کریں سو اللہ تعالٰی کافروں سے محبت نہیں کرتے۔" (۳-۳۲)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (آل عمران:۱۳۲)

"اور کہنا مانو اللہ تعالٰی کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔" (۳-۱۳۲)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ(النساء:۵۹)

"اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔" (۴-۵۹)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ (المائده:۹۲)

"اور تم اللہ تعالٰی کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔" (۵-۹۲)

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (الانفال:۱)

"سو تم اللہ سے ڈرو اور باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔" (۸-۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ (الانفال:٢٠)

"اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اور اس سے روگردانی مت کرنا اور تم سن تو لیتے ہی ہو۔" (۸-۲۰)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا (الانفال:٤٦)

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے۔" (۸-۴۶)

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ (النور:٥٤)

"آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔" (۲۴-۵۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد:٣٣)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔" (۴۷-۳۳)

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ (المجادلۃ:١٣)

"تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا کرو۔" (۵۸-۱۳)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (التغابن:١٢)

"اللہ کا کہنا مانو اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کہنا مانو اور اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔" (۶۴-۱۲)

ان آیات میں رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت ایک لازمی حکم کے طور پر ہے۔ بہت سی آیات ایسی بھی ہیں جب "رسول کی اطاعت" کے نتائج اور اس کی جرزء ذکر کی گئی ہے ان میں بھی "رسول کی اطاعت" کو "اللہ کی اطاعت" کے ساتھ ساتھ اکٹھا اور یکجا بیان کیا گیا ہے۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (النساء:١٣)

"اور جو شخص اللہ تعالٰی اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالٰی اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔" (۴-۱۳)

یہی الفاظ (۴۸-۱۷) میں بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم (النساء:٦٩)

"اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالٰی نے انعام فرمایا۔" (۴-۶۹)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّـهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (النور:٥١) وَمَن يُطِعِ اللَّـهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّـهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (النور:٥٢)

"مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ ایسے لوگ فلاح پائیں گے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کہا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے۔ بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے۔" (۲۴ – ۵۲ ،۵۳)

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب:۷۱)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔" (۳۳-۷۱)

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَـٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبۃ:۷۱)

"اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کہنا مانتے ہیں، ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالٰی رحمت کرے گا، بلا شبہ اللہ تعالٰی قادر ہے حکمت والا ہے۔" (۹-۷۱)

وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ (الحجرات:١٤)

"اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کہنا مان تو اللہ تعالٰی تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا۔" (۴۹-۱۴)

قرآن کریم میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ "رسول کی اطاعت" یا "فرمانبرداری" نہ تو اللہ کا کوئی نیا قانون ہے اور نہ اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک مخصوص ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پیشتر بھیجے جانے والے تمام انبیاء کے لئے بھی یہی اصول کارفرما رہا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ (النساء:٦٤)

"اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بہ حکم خداوندی ان کی اطاعت کی جاوے۔" (۴-۶۴)

قرآن کریم نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ تمام رسول اللہ تعالٰی کی رضا و خوشنودی کے ترجمان ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت درحقیقت خود اللہ تعالٰی ہی کی اطاعت ہے۔

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ(النساء:۸۰)

"جس شخص نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے خدا تعالٰی کی اطاعت کی۔" (۴-۸۰)

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قرآن کریم نے بار بار زور دیا ہے اور اسے اللہ تعالٰی کی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے ٹھیک اسی طرح "رسول کی نافرمانی" اور اس کے نتائج سے خبردار کیا ہے اور اسے "اللہ کی نافرمانی" کے ساتھ ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا (النساء:١٤)

"اور جو شخص اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کہا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کر دیں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔" (۴-۱۴)

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (الاحزاب:٣٦)

"اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔" (۳۶-۳۳)

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (الجن:٢٣)

"اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" (۷۲-۲۳)

وَمَن يُشَاقِقِ اللَّـهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّـهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (الانفال:١٣)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالٰی سخت سزا دیتے ہیں۔" (۸-۱۳)

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ (التوبہ:٦٣)

"کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت

کرے گا تو ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نصیب ہو گی۔" (۹-۶۳)

چنانچہ "اطاعت" کی مثبت اور منفی دونوں جہتوں کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ اور "رسول کی اطاعت" ان میں سے ہر ایک آیت میں جداگانہ مگر "اللہ کی اطاعت" کے ساتھ ساتھ بیان کی گئی ہے۔

*"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے،اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے ۔(النساء 24)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے براہ راست معاملہ نہیں کرتا ۔وہ انسانوں کو اپنی ہدایت نبیوں اور رسالوں کے ذریعے سے دیتا ہے

*اس میں شبہ نہیں اس اطاعت کا اصلی مقصد خدا کی اطاعت ہے جو کہ نبیوں کی اطاعت کے ذریعے سے کی جاتی ہے

"جو رسول کی اطاعت کرتا ہے،اس نے درحقیقت خدا کی اطاعت کی ہے"۔(النساء 80)

*نبی کو مان لینے کا لازمی نتیجہ ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ رسول اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے

"(اے پیغمبر)ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو،اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور(یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ) اللہ بخشنے والا ہے اور اس کی شفقت ابدی ہے

سوال نمبر 3۔ حدیث کی روشنی میں سچے مسلمان کی پہچان واضح کریں نیز مذکورہ حدیث مبارکہ واضح اعراب اور ترجمہ کے ساتھ خوشخط تحریر کریں۔

" اسلام اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی طرف خدا کا بھیجا ہوا دین یعنی نظام زندگی ہے جس کا آئین قرآن حکیم ہے، اُس پر مکمل ایمان اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اسلام ہے" یا دوسرے الفاظ میں " اسلام مسلمانوں کا دین یا نظام زندگی ہے جس میں اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اس کی حاکمیت اعلٰی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو آخری نبی ماننا۔ اسلام کا آئین قرآن ہے ، اس پر مکمل ایمان اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اسلام ہے"

اسلام وہ دین یا نظام حیات ہے جس میں حضور ختم المرسلین ﷺ کی وساطت سے انسانیت کے نام خدا کے آخری پیغام یعنی قرآن مجید کی روشنی میں زندگی بسر کی جائے۔ اُس وحی خداوندی

کی روشنی میں فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتے ہوئے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بروئے کار لایا جائے۔اُس ضابطہ حیات پر کامل ایمان لاتے ہوئے قوانینِ خداوندی کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرنے کا نام اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے جو نظام اور قانون دیا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ اس نظام زندگی کی رہنمائی انبیا اکرام کی صورت میں جاری رہی اور حضور پاک ؐ پر یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ جس کا اس دین پر دل و دماغ کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ غیر متزلزل ایمان ہو وہ مسلمان کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم کو اسلام میں سپریم اتھارٹی حاصل ہے ، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کے رہنما اصولوں کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ یہی کتاب جائز یا ناجائیز کا فیصلہ کرتی ہے اور ایک مسلمان کی آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتی ہے۔ اسوہ حسنہ یعنی پیغمبر اسلام ؐ کی حیات طیبہ بہترین نمونہ ہے۔ قرآن حکیم کے بعد رسول اکرامؐ کی صحیح احادیث رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔سنت خیرالانام ایک مسلمان کے لیے زندگی گذارنے کے لیے بہترین راستہ ہے۔اسلام دوسرے مذاہب کی طرح محض چند رسمی عبادات کا مجموعہ نہیں جس کا مقصدصرف اُخروی نجات ہو بلکہ یہ ایک دین یعنی نظام زندگی ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور حضور ؐ اس دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل دین کو مکمل کرکے گئے تھے۔ اسلام کے پانچ ارکان ہیں ۔ پہلا رکن شہادت ہے یعنی اس بات کی شہادت دل و دماغ کے مکمل اطمینان کے ساتھ دینا کہ اللہ ایک ہے، حضرت محمد ﷺ اُس کے آخری رسول اور نبی ہیں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں پر ایمان لانا، اُس کی نازل کردہ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان، حیات آخرت اور روز جزا پر ایمان لانا لازم ہے۔ دیگر چار ارکان اسلام میں صلوٰۃ (نماز)، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔

دین ہمار ے دنیاوی معاملات کو سنوارے کے لیے آتا ہے جس سے دنیا میں فلاح اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ انہی اصولوں کی بنیاد پر رسول اکرمﷺ نے ایک بے مثال اسلامی معاشرہ متشکل کیا جس کا تسلسل خلفاء راشدین کے دور بھی رہا۔ اُس معاشرہ میں نہ کوئی سرمایہ داری کا تصور تھا، نہ رہبانیت کا اور نہ ہی مذہبی پیشوائیت کا۔ نہ ہی اُس میں مذہبی جبر اور تشدد تھا اور نہ ہی کسی لیے امتیازی قوانین تھے۔ نہ ہی کوئی کسی پر جبراً شریعت نافذ کرسکتا تھا اور نہ ہی کوئی فتویٰ دینے مجاز تھا۔ یہ تھا وہ اسلام جسے خدا نے انسانوں کے لیے پسند کیا تھا۔ اور ہم آج بھی پھر وہی نظام دہرا سکتے ہیں اگر بالکل اسی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے اُسی ضابطہ حیات کو اپنا لیں اور اس کی روشنی میں اپنے لیے طریقہ کار وضع کریں۔ خوش قسمتی

سے خدا کی آخری کتاب ہمارے پاس مکمل اور اصل حالت میں موجود ہے اب یہ ہم پر کہ ہم اُس سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ کتا ب جو سمجھنے میں آسان اور جس کے احکام آج بھی قابل عمل ہیں جس بارے میں اُس کے مصنف نے سورہ القمر میں چار بار واضع طور پر اعلان کردیا کہ یہ آسان کتاب ہے تاکہ کوئی کل کو یہ نہ کہے کہ یہ کتاب مشکل ہے، اسے سمجھنا آسان نہیں یا اس کے سمجھنے کے لیے پہلے بہت سے علوم کا جاننا ضروری ہے یا پھریہ کہ اس کے سمجھنے کے لیے کسی مزید گائیڈ کی ضرورت ہے ۔ ہر گز نہیں بلکہ واضع طور پراعلان کردیا کہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے سچے سمجھے ((54/17, 22, 32, 40۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کا اصول اور طریقہ بھی خود قرآن نے بتا دیا ہے کہ تصریف آیات یعنی کسی ایک موضوع کے بارے میں تمام آیات کو پڑھا اﺍور سمجھا جائے۔ مضامین کے اعتبار سے قرآن فہمی کے لیے بہت سی کتب دستیاب ہیں جن سے عام آدمی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔قرآن اپنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ، آیات متشبہات اور آیات محکمات ۔ متشبہات کی آیات کائنات اور دیگر حقیقتوں کے بارے میں ہیں جس کی مختلف انداز میں تشریح ممکن ہے اور جوں جوں انسانی علم ترقی کرتا چلا جاتا ہے اُن کی آیات کے سمجھنے میں وسعت آتی جاتی ہے۔ مگرآیات محکمات کا مفہوم روز اول سے ایک ہی ہے اور وہ احکامات کی آیات ہیں جن میں واضع طور پر کہا گیا ہے کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ قرآن مجید انہیں اصل کتاب قرار دیتا ہے اور ایک عام مسلمان کے لیے ضروری یہی ہے کہ وہ ان آیات جو تقریباًآٹھ سو کے قریب ہیں یعنی قرآن کا آٹھواں حصہ ، ان کی روشنی میں اپنی زندگی کی گاڑی کو رواں رکھے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کتاب عظیم سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر ہم یہ نہ کریں گے توروز قیامت حضورّہماری خدا سے شکائیت کریں گے کہ میری امت نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا جیسا کہ سورہ فرقان کی آیت تیس میں ہے۔قرآن سے رہنمائی اہل عقل لیتے ہیں۔قرآن اور عقل کا تعلق ایسے ہی ہے جیسے آنکھوں اور روشنی کا ہے۔ قرآن بار بار غوروفکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایک بڑی حیران کن حقیقت ہے کہ قرآن میں جنہیں ہم عمومی طور پر عبادات کہتے ہیں اُن کے بارے دو فی صد سے بھی کم آیات ہیں جبکہ کائنات کے غوروفکر کے بارے میں گیارہ فی صد سے زیادہ آیات ہیں۔ قرآن ہی سے ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین ہوتی ہیں اور یہی ایک سپریم اتھارٹی ہے۔اللہ تعالٰی نے واضع طور پرفیصلہ دے دیا کہ جو قرآن کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں

دین اسلام پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بطور دین نازل ہوا ہے نہ صرف اس کی تصدیق کی جائے بلکہ (دل سے)اسے قبول کرنا اور اس کی پیروی کرنا بھی ضروری ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ جو دین لےکرآئےتھے اس کی تصدیق ،اور اس بات کی گواہی کہ یہ دین تمام دینوں سے بہتر ہے،ایمان کا لازمی جزہے۔یہی وجہ ہے کہ ابو طالب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانےوالوں میں شامل نہیں ہو سکے۔

دین اسلام ان تمام مصلحتوں کا ضامن ہے جن کی ضمانت سابقہ ادیان میں موجود تھی۔اس دین کی امتیازی خصوصیات یہ ہے کہ یہ ہرزمانہ ،ہر جگہ ہر امت کے لیے درست اور قابل عمل ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ)کو مخاطب کرتےہوئے فرماتاہے:

وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

اور ہم نے آپ کی طرف ایک ایسی کتاب بازل کی ہے جو خود بھی سچائی کے ساتھ موصوف ہے،اور اس سےپہلےجو(آسمانی)کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ (سورۂ المائدہ آیت 48)

ہر دور،ہر جگہ اور ہر امت کے لیے دین اسلام کے درست اور قابل عمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس دین کے ساتھ مضبوط تعلق کسی بھی زمانہ ،مقام اور قوم کی مصلحتوں کے ہر گز منافی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو ان کے عین مطابق ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین ہر دور ،ہر جگہ اور ہر قوم کا تابع ہے،جیسا کہ بعض کج فہم لوگ سمجھتے ہیں۔

دین اسلام بالکل سچا اور برحق دین ہے ،جو اس کے دامن کو مضبوطی سے تھام لے ،اللہ تعالیٰ نے اس کی مددفرمانےاوراسے غالب کرنے کی ضمانت دی ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُشْرِكُونَ

اللہ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے،خواہ مشرکین کویہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ (سورہ الصف،آیت 9)

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِى لَا يُشْرِكُونَ بِى شَيْـًٔا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَفَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ

تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکے ہیں کہ ان کوزمین میں خلافت عطا فرمائے جس طرح ان سے پہلے (اہل ہدایت)لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے)انکےلیےپسندفرمایاہےاس دین کو ان کے لیے جما دے گا،اور ان کے خوف و خطر کو امن و امان میں بدل دےگا۔پس وہ میری عبادت کریں،میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو کفر کریں وہ یقینا فاسق ہیں۔ (سورۂ النور،آیت 55)

سوال نمبر 4۔ ایمان کا مفہوم واضح کریں نیز ایمانیات کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

ایمان ایک نور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے دل میں آجاتا ہے، اور جب یہ نور دل میں آتا ہے تو کفر و عناد اور رسومِ جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور آدمی ان تمام چیزوں کو جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، نورِ بصیرت سے قطعی سچی سمجھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔" آپ کے لائے ہوئے دین میں سب سے اہم تر یہ چھ باتیں ہیں جن کا ذکر اس حدیث پاک میں فرمایا ہے، پورے دین کا خلاصہ انہی چھ باتوں میں آجاتا ہے:

۱:...اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں یکتا سمجھے، وہ اپنے وجود اور اپنی ذات و صفات میں ہر نقص اور عیب سے پاک اور تمام کمالات سے متصف ہے، کائنات کی ہر چیز اسی کے ارادہ و مشیت کی تابع ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، کائنات کے سارے تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

۲:...فرشتوں پر ایمان یہ کہ فرشتے، اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نورانی مخلوق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم ہو، بجا لاتے ہیں، اور جس کو جس کام پر اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔

۳:...رسولوں پر ایمان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور انہیں اپنی رضامندی اور ناراضی کے کاموں سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ برگزیدہ انسانوں کو چن لیا، انہیں رسول اور نبی کہتے ہیں۔ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی خبریں رسولوں کے ذریعے ہی پہنچتی ہیں، سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہیں ملے گی، بلکہ آپ ہی کا لایا ہوا دین قیامت تک رہے گا۔

۴:...کتابوں پر ایمان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی معرفت بندوں کی ہدایت کے لئے بہت سے آسمانی ہدایت نامے عطاکئے، ان میں چار زیادہ مشہور ہیں: تورات، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی، زبور جو حضرت داوٗد علیہ السلام پر نازل کی گئی، انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور قرآن مجید جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ یہ آخری ہدایت نامہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجا گیا، اب اس کی پیروی سارے انسانوں پر لازم ہے اور اس میں ساری انسانیت کی نجات ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب سے روگردانی کرے گا وہ ناکام اور نامراد ہوگا۔

۵:...قیامت پر ایمان یہ کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا ختم ہوجائے گی زمین و آسمان فنا ہوجائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور اس دنیا میں لوگوں نے جو نیک یا برے عمل کئے ہیں، سب کا حساب و کتاب ہوگا۔ میزانِ عدالت قائم ہوگی اور ہر شخص کی نیکیاں اور بدیاں اس میں تولی جائیں گی، جس شخص کے نیک عملوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا پروانہ ملے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مقام میں رہے گا جس کو "جنت" کہتے ہیں، اور جو شخص کی برائیوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا پروانہ ملے گا اور وہ گرفتار ہوکر خدائی قیدخانے میں جس کا نام "جہنم" ہے، سزا پائے گا، اور کافر اور بے ایمان لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ دنیا میں جس شخص نے کسی دوسرے پر ظلم کیا ہوگا، اس سے رشوت لی ہوگی، اس کا مال ناحق کھایا ہوگا، اس کے ساتھ بدزبانی کی ہوگی یا اس کی بے آبروئی کی ہوگی، قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا، اور مظلوم کو ظالم سے پورا پورا بدلا دلایا جائے گا۔ الغرض خدا تعالیٰ کے انصاف کے دن کا نام "قیامت" ہے، جس میں نیک و بد کو چھانٹ دیا جائے گا، ہر شخص کو اپنی پوری زندگی کا حساب چکانا ہوگا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

۶:..."اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارخانۂ عالم آپ سے آپ نہیں چل رہا، بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی اس کو چلا رہی ہے۔ اس کائنات میں جو خوشگوار یا ناگوار واقعات پیش آتے ہیں وہ سب اس کے ارادہ و مشیت اور قدرت و حکمت سے پیش آتے ہیں۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کے تمام حالات اس علیم و خبیر کے علم میں ہیں اور کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان تمام حالات کو، جو پیش آنے والے تھے، "لوحِ محفوظ" میں لکھ لیا تھا۔ بس اس

کائنات میں جو کچھ بھی وقوع میں آرہا ہے وہ اسی علم ازلی کے مطابق پیش آرہا ہے، نیز اسی کی قدرت اور اسی کی مشیت سے پیش آرہا ہے۔ الغرض کائنات کا جو نظام حق تعالیٰ شانہ نے ازل ہی سے تجویز کر رکھا تھا، یہ کائنات اس طے شدہ نظام کے مطابق چل رہی ہے۔

نجات کے لئے ایمان شرط ہے

دائمی نجات کے لئے ایمان شرط ہے، کیونکہ کفر اور شرک کا گناہ کبھی معاف نہیں ہوگا اور ایمان کے صحیح ہونے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا کافی نہیں، بلکہ اس کے تمام رسولوں کا ماننا بھی ضروری ہے اور جو لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی نہیں مانتے وہ خدا تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں رکھتے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے رسول اور خاتم النبیین ہونے کی شہادت دی ہے، پس جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت اور ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کو جھٹلاتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بات کو جھوٹی کہے وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والا نہیں، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرنا شرطِ نجات ہے، غیرمسلم کی نجات نہیں ہوگی۔

مسلمان کی تعریف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ماننے والا مسلمان ہے، دینِ اسلام کے وہ امور جن کا دین میں داخل ہونا قطعی تواتر سے ثابت اور عام و خاص کو معلوم ہو، ان کو "ضروریاتِ دین" کہتے ہیں۔ ان "ضروریاتِ دین" میں سے کسی ایک بات کا انکار یا تاویل کرنے والا کافر ہے۔ ایمان نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو بغیر کسی تحریف و تبدیلی کے قبول کرنے کا اور اس کے مقابلہ میں کفر نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کسی قطعی و یقینی بات کو نہ ماننے کا۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات میں "ما انزل الی الرسول" کے ماننے کو "ایمان" اور "ما انزل الی الرسول" میں سے کسی ایک کے نہ ماننے کو "کفر" فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث شریفہ میں بھی یہ مضمون کثرت سے آیا ہے، مثلاً: صحیح مسلم (جلد:۱ ص:۳۷) کی حدیث میں ہے: "اور وہ ایمان لائیں مجھ پر اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر۔" اس سے مسلمان اور کافر کی تعریف معلوم ہوجاتی ہے۔ یعنی جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تمام قطعی و یقینی باتوں کو من و عن مانتا ہو وہ مسلمان ہے، اور جو شخص قطعیاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو یا اس کے معنی و مفہوم کو بگاڑتا ہو، وہ مسلمان نہیں، بلکہ کافر ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے، اور بہت سی احادیث شریفہ میں اس کی یہ تفسیر فرمائی گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور ملتِ اسلامیہ کے تمام فرقے (اپنے اختلافات کے باوجود) یہی عقیدہ رکھتے آئے ہیں، لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عقیدے سے انکار کرکے نبوت کا دعویٰ کیا، اس وجہ سے قادیانی غیرمسلم اور کافر قرار پائے۔

اسی طرح قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے، مرزا قادیانی اور اس کے متبعین اس عقیدے سے منحرف ہیں، اور وہ مرزا کے "عیسیٰ" ہونے کے مدعی ہیں، اس وجہ سے بھی وہ مسلمان نہیں۔ اس طرح قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو قیامت تک مدارِ نجات ٹھہرایا گیا ہے، لیکن مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ: "میری وحی نے شریعت کی تجدید کی ہے، اس لئے اب میری وحی اور میری تعلیم مدارِ نجات ہے۔" (اربعین نمبر:۴ ص:۷، حاشیہ) غرض کہ مرزا قادیانی نے بے شمار قطعیاتِ اسلام کا انکار کیا ہے، اس لئے تمام اسلامی فرقے ان کے کفر پر متفق ہیں

سوال نمبر 5۔ عقیدہ ختمِ نبوت سے کیا مراد ہے؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں عقیدہ ختمِ نبوت پر مفصل نوٹ لکھیں۔

عقیدہ رسالت دین اسلام کا دوسرا اساسی اصول ہے ۔ رسالت اور رسول کے لفظی معنی پیغام رسانی اور پیغام رساں ہیں۔ لفظ رسالت میں مُرسِل، مُرسَل اور مُرسل اِلیہ یعنی پیغام بھیجنے والا، پیغام لانے والا، پیغام وصول کرنے والا اور پیغام پہنچانے والا، کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

جس طرح قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو چاند ہلکی سی کرن کے ساتھ ہلال کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اس کی نمود بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ چودہ تاریخ کو پورا چاند بدر کی شکل میں نکل آتا ہے اور اس کی روشنی ہر سو پھیل جاتی ہے ، اسی طرح ہدایت الٰہی کا چاند، ہلال کی شکل میں حضرت آدمؑ کے ساتھ دنیا میں چمکا ۔ پھر ہر زمانے میں مختلف انبیا کرام علیہم السلام کے ذریعے ہدایت کے چاند کی شکلیں ضرورت کے مطابق بڑھتی اور بدلتی رہیں حتیٰ کہ ہدایت کا مکمل چاند بدر کی شکل میں ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں نمودار ہوا اور جو نور آفتاب الٰہی کی بدولت تاقیامت روشن رہے گا۔ جس طرح چاند ایک لیکن روشنی کے لحاظ سے اس کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں اسی طرح رسالت کا منصب ایک لیکن تقسیم نور ہدایت کے اعتبار سے اس کی حیثیتیں ہر زمانے، ہر دور اور ہر قوم میں مختلف رہی

ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰؐ تک جتنے بھی انبیا و رسل دنیا میں مختلف قوموں کے درمیان مبعوث ہوئے سب ایک ہی تھے۔

آپؐ کا اور سب کا تعلق رب سے اور جماعت مرسلین ہی سے تھا۔ اس طرح ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ سب ادب اور احترام کے یکساں مستحق ہیں۔رسالت اکائی ہے اس کی جدائی کی مذہباً، عقلاً اور اصولاً اجازت قطعاً نہیں۔ اور جو ایسا کرے وہ کافر ہی نہیں پکا کافر ہے، لیکن رسالت کی اس حقیقت وحدت کے باوجود آپؐ اور دوسرے انبیا میں تقسیم کار اور تقسیم ہدایت کے لحاظ سے جوہری فرق ہے، ایسا ہی فرق جو چاند کی ہلالی، درمیانی اور بدری شکلوں میں ہے یا جو فرق جز اور کل میں ہے۔ کسی رسول کی حیثیت نور ہدایت کے نالے کی سی، کسی کی نہر اور کسی کی دریا کی سی تھی لیکن آپؐ کی ذات ہدایت کا بحر ذخار ہے وہ نور تھے تو آپؐ نور علیٰ نور ہیں وہ نور ہدایت کے اجزا لائے تو آپؐ کل نور ہدایت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ جس طرح پورے چاند کو بدر کہتے ہیں اسی طرح ہدایت کے پورے چاند کا نام اسلام میں محمدؐ مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ہے۔

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی جانب سے جتنے بھی انبیا و رسل نسل انسانی کی ہدایت و رہنمائی اور امامت و پیشوائی کے لیے کرہ ارض پر مبعوث ہوئے وہ گوناگوں مناقب، مناصب اور خصوصیات کے مالک تھے ان میں سے چند ایک کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

ہر نبی اور رسول ہر حال میں گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان و بشر تھے۔ خالق سے واصل ہونے کے باوجود مخلوق میں شامل تھے۔ نوع کے اعتبار سے نہ وہ جن تھے نہ فرشتے اور نہ ہی رحمن کا مادی ظہور، بلکہ انسان تھے ۔ رسول کی انسانیت آدمیت اور بشریت میں الوہیت کا ذرہ برابر شائبہ تک نہ تھا۔ دعویٰ رسالت کے حق میں دلیل دعویٰ کے طور پر اللہ نے جو معجزات اور کمالات کے ساتھ اپنے رسولوں کو نوازا انہیں دیکھ کرکہیں آنکھیں دھوکہ نہ کھا جائیں عقل گمراہ نہ ہوجائے قرآن نے رسول کے بشری اور انسانی پہلوکو واضح صاف اور روشن انداز میں پیش کیا تاکہ انسان ناقص کے ذہن ناقص میں رسالت کی الوہیت میں شرکت کے امکانات خیالات، احساسات اور سوالات ابھرنے کی قطعاً گنجائش باقی نہ رہے اور اللہ کی وحدانیت ہر ضرب سے محفوظ رہے۔فرمان الٰہی ہے:

’’ہم نے تم سے پہلے جن رسولوں کو بھیجا تھا وہ بھی آدمی تھے جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو ہم نے ان رسولوں کو ایسے جسم نہیں دیے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر فانی تھے۔‘‘ (سورۃ الانبیا آیت7-8)

’’اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور ان کے لیے ہم نے بیویاں بھی پیدا کی تھیں اور ان کو اولاد بھی دی تھی۔‘‘ (سورۃ الرعد آیت 38)

رسول فضل وکمال کے مالک تھے۔ ذہنی، علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی لاجواب قوت پرواز میں اپنی مثال آپ تھے۔ عام انسان ان کی خاک پا بھی نہیں ہوسکتا ۔ جس طرح دانا اور نادان، بینا اور نابینا، عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے، اسی طرح رسول اور عام انسان چاہے وہ کتنا ہی صاحب زہد وتقویٰ، فہم وذکا ہو، دونوں میں جوہری اور روحانی قد کے لحاظ سے زمین اورآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اللہ ، رسول اور عام انسان تینوں کے مقام جدا جدا ہیں۔ نبوت کی حقیقت وھب ہے کسب نہیں ۔ جو اسے وھبی کی بجائے کسبی سمجھتا ہے وہ وہمی، ظنی اور خیالی ہے۔ یہ منصب عبادت، ریاضت اور چاہت سے حاصل نہیں ہوتا ۔ یہ تو اللہ کی نعمت اور رحمت تھی۔

نبی کی زبان، نفس عقل اور وجدان کی نہیں، وحی کی ترجمان ہوتی ہے۔ اس کے قول وعمل سے ہمیشہ حق کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ اس کے قول و فعل کا ماخذ، منبع اور سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے وہ وہی کہتا ہے جس کی اس پر وحی ہوتی ہے۔ نبی کے کلام پر اللہ کا نام ہوتا ہے۔

معصومیت اور صالحیت ہر نبی کی خصوصیت تھی ۔اس کے خیالات، جذبات اور حرکات پر اللہ کی حکومت ہوتی ہے۔ وہ ہمہ وقت اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے اللہ اس کی عصمت اور طہارت کا ضامن ہوتا ہے۔ جس کی حفاظت کی ضمانت اللہ دے اس کو نفس اور شیطان کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کی قوت اور قدرت نہیں رکھتے۔اس کی ذات، اللہ کے سخت حفاظتی اقدامات کی وجہ سے اخلاقی گراوٹ سے پاک اور تفکر اور تدبرکی اجتہادی غلطی سے مبرا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ہر آن اللہ کی امان میں ہوتا ہے۔

بشریت، اصطفائیت، حقانیت اور معصومیت ان چار عناصر سے بنتی ہے نبوت۔ لیکن نبوت کی روح اطاعت ہے۔ رسالت اور اطاعت لازم و ملزوم ہیں۔ اطاعت مقصد اور رسالت ذریعہ ہے۔ اطاعت کے تقاضے اور مطالبے کے بغیر انبیا کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

جب کہ اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ رسالت کی حکمت وجود باری تعالیٰ کی شہادت اور سفر حیات میں اس کے احکامات کی اطاعت ہے۔ مذکورہ بالا چار عناصر ترکیبی جن سے کے نبوت کا تانا بانا بنا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس لیے بیان فرمائے کہ نبی کی ذات پر غیر مشکوک اور غیر متزلزل یقین ہوجائے اور انسان بلاخوف وخطر یقین اور اطمینان کے ساتھ ان کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی بسرکرکے فلاح و سعادت حاصل کرسکے۔ اس کی ذات کو امت کے لیے مثال قرار دینے کا مطلب اس کی قیادت و امامت اور پیشوائی و رہنمائی کا مقصد ہی

یہ ہوتا ہے کہ اس کے بتائے ہوئے رنگوں کو زندگی کے مختلف خانوں میں بھرا جائے اس کے لائے ہوئے نور ہدایت سے زندگی کی شب تاریک کو منور کیا جائے۔ جس کی واحد شکل اطاعت رسول ہے جو نبی کو مطاع نہیں مانتا وہ حقیقت میں نبی پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور بالکل نہیں جانتا کہ رسالت کسے کہتے ہیں۔ ہر نبی نے اپنی اطاعت کا مطالبہ کیا۔

مختصراً یہ تھیں رسالت کی گونا گوں خصوصیات میں سے چند ایک خصوصیات۔ ان کے علاوہ انبیا و رسل شارح، شارع، معلم، مبلغ، ہادی، داعی، مزکی، بشیر اور نذیر وغیرہ بھی تھے۔ ہر نبی اپنے اپنے زمانے میں اسلام کا پیکر مجسم تھے۔ اپنی اپنی امت کے لیے ''اسوہ حسنہ'' تھے زندگی کا ہر پہلو ان کے دامن سے وابستہ کرنا تھا۔ نبی کی ذات وہ معیار تھی جس کے مطابق ان کی امت کو اپنی زندگیوں کو ڈھالنا تھا تاکہ حقیقی راحت و سکون اور فلاح و سعادت حاصل کرسکیں۔

ختم نبوت کا عقیدہ ان اجتماعی عقائد میں سے ہے، جو اسلام کے اصول اور ضروریات دین میں شمار کئے گئے ہیں۔عہد نبوتؐ سے لے کر اس وقت تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی تاویل اور تخصیص کے خاتم النبیین ہیں۔ قرآن مجید کی ایک سو آیات کریمہ، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ (دو سو دس احادیث مبارکہ) سے یہ مسئلہ ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا کہ مدعی نبوت کو قتل کیا جائے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لئے جتنی جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام ؓکی کل تعداد 259 ہے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ و دفاع کے لئے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہؓ اور تابعین ؒکی تعداد بارہ سو ہے جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے جام شہادت نوش کرگئی۔ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہوسکتاہے۔

حضرت خبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا، مسیلمہ کذاب نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے فرمایا ہاں، مسیلمہ نے کہا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں (مسیلمہ) بھی اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میں بہرا ہوں، تیری یہ بات نہیں سن سکتا، مسیلمہ بار بار سوال کرتا رہا، وہ یہی جواب دیتے رہے اور مسیلمہ ان کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا حتی کہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کو شہید کردیا گیا۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسئلہ ختم نبوت کی عظمت و اہمیت سے کس طرح والہانہ تعلق رکھتے تھے، اب حضرات تابعین میں سے ایک تابعی کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو: ”حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا نام عبدا اللہ بن ثوب رضی ا اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے ا للہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرمادیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزار بنادیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکار دو عالم صلی ا للہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں اسلام لاچکے تھے لیکن سرکاردو عالم صلی ا للہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی ا للہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا۔ جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے حضرت ابو مسلم خولانی رضی ا للہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابو مسلم رضی ا للہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی ا للہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم رضی ا للہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں، اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم رضی ا للہ تعالیٰ عنہ کو اس آگ میں ڈال دیا، لیکن ا للہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرمادیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت سی طاری ہوگئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کردو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروکاروں کے ایمان میں تزلزل آجائے، چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کردیا گیا۔ یمن سے نکل کرمدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی ا للہ تعالیٰ عنہ جب ان سے ملے تو فرمایا”ا للہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہ صلی ا للہ علیہ وسلم کے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل ا للہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔ “

قرآن مجید میں ذات باری تعالیٰ کے متعلق ’’رب العالمین‘‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے ’’رحمۃ للعالمین‘‘ قرآن مجید کے لئے ’’ذکر للعالمین‘‘ اور بیت اللہ شریف کے لئے ’’ھدی للعالمین‘‘ فرمایا گیا ہے، اس سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی آفاقیت و عالمگیریت ثابت ہوتی ہے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف ختم نبوت کا اختصاص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے علاقہ، مخصوص قوم اور مخصوص وقت کے لئے تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حق تعالیٰ نے کل کائنات کو آپ کی نبوت و رسالت کے لئے ایک اکائی (ون یونٹ) بنادیا۔جس طرح کل کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ ’’رب‘‘ ہیں، اسی طرح کل کائنات کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ’’نبی‘‘ ہیں۔ یہ صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و اختصاص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے جن چھ خصوصیات کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے:: ’’میں تمام مخلوق کے لئے نبی بناکر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔‘‘